Majallah Tahqiq
Research Journal of
the Faculty of Oriental Learning
Vol: 35, Sr.No.97, 2014, pp 23 - 30

مجلّہ تحقیق
مجلّہ کلیہ علوم شرقیہ
جلد ۳۵، اکتوبر۔ دسمبر ۲۰۱۴ء، شمارہ ۹۷

کشمیری لوک کہانیاں

ڈاکٹر خواجہ زاہد عزیز ☆

Abstract:
Folktales portray the civilization of every country. Folktales play an important role to comprehend the social and cultural circumstances of any estate. The history of folktales of Kashmir starts from the Pre-Islamic period. Islam introduced in Kashmir through the preachings of Central Asian missionaries. Islam conferred a spiritual society to the Kashmiries. Islamic preachings not only changed the people of Kashmir but also forgered the folk literature. The folktales of Kashmir played momentous role in the failure of Christianity in Kashmir. Kashmiri and non-Kashmiri litterateurs performed a significant role in the compilation and addition of folktales. Kashmiri folktales are brimful with the granary of learning and sagacity.

ریاست جموں و کشمیر کو بالعموم وادی لالہ وگل، جنت نظیر اور ایران صغیر کے مسحور کن ناموں سے پکارا جاتا ہے۔ کشمیر یقیناً ایران صغیر ہے۔ جس کے فطری حسنُ، باشندوں کے حسن و جمال، بہاریں زندگی اور گل بداماں ثقافت کے باعث بے شمار پہلو ہیں۔ وادی کے چرب دست وتر دماغ مکینوں کا انمول سرمایہ کشمیری صناعوں کی حیرت انگیز ہنرمندی، لطیف وجمیل فنون، نفیس عمارات، شگفتہ موسیقی، دل آویز ناچ اور پرکیف لوک کہانیاں ہیں۔ استبداد کا جبر وقہر اور سنگینوں کی خونریز نوکیں سب کچھ چھین سکتی ہیں لیکن کشمیریوں سے اُن کے ماضی وحال کا غیر فانی سرمایہ عزیز نہیں چھین سکتیں۔ یہ ان کا اثاثہ ہے اور ہمیشہ اُن ہی کا رہے گا۔

☆ اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ کشمیریات، اورینٹل کالج، پنجاب یونیورسٹی، لاہور

لوک ادب تحریری ادب نہیں ہوتا بلکہ سینہ بہ سینہ چلتا ہے۔ اسی طرح تہذیبی، ادبی اور روایتی سرمایہ ایک نسل سے دوسری نسل کو منتقل ہوتا رہتا ہے۔ ہزاروں سال سے یہ عمل جاری ہے۔ اس کا براہ راست نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وقت کے ساتھ ساتھ اس میں چھوٹی چھوٹی تبدیلیاں بھی واقع ہوتی رہتی ہیں۔ خاص طور پر مختلف قوموں کے میل جول سے اس میں تبدیلی رونما ہوتی جاتی ہے۔ ایک قوم کی روایات دوسری قوم کی کہانیوں کی جگہ پا لیتی ہیں۔ پھر لوک کہانی جہاں جہاں سفر کرتی ہے وہاں کی بعض تہذیبی اور روائتی نشانیاں بھی اپنے اندر سمیٹتی چلی جاتی ہے۔ چونکہ یہ ادب سارے انسانوں کا مشترکہ ورثہ ہے۔ اس کی تخلیق میں لوگوں نے اجتماعی طور پر حصہ لیا ہے۔ اس لیے اس میں مختلف قوموں کی روایات کا داخل ہو جانا فطری ہے۔

دنیا کے تمام علوم کسی نہ کسی منزل کی طرف رہنمائی کرتے ہیں۔ اسی طرح فوک لور انسان اور معاشرے کی تکمیل کا علم ہے۔ اس کے علاوہ سب سے اہم بات یہ ہے کہ فوک لور دنیا کے تمام علوم کی بنیاد ہے۔ فلسفہ، سائنس، تاریخ اور دیگر علوم فوک لور سے پھوٹتے ہیں۔ جب لکھے ہوئے لفظ کا وجود نہیں تھا اس وقت فوک لور ہی علم کا ذریعہ تھا اور علم تھا۔ (۱) فوک لور کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ فوک لور بحیثیت علم ایک (Social Science) ہے۔ جس میں انسانی زندگی کو سمجھنے اور پرکھنے کے ساتھ ساتھ انسان اور سماجی زندگی کی تکمیل کی جاسکتی ہے۔ اس علم کی مدد سے اجتماعی لاشعور کا تجزیہ ممکن ہے۔ یہ ایک ایسا علم ہے جسے بنیادی اہمیت حاصل ہے۔

لوک کہانیاں کسی ایک ذہن کی تخلیق قرار نہیں دی جاسکتیں بلکہ ان کی تصنیف و ترتیب میں مختلف ادوار اور زمانوں کے لوگوں کے ذہنوں نے اجتماعی طور پر حصہ لیا ہوتا ہے۔ یہ بات دنیا کی ہر زبان اور ہر خطے کے لوک ادب کے بارے میں کلیہ کے طور پر کہی جاسکتی ہے۔ ان کی تخلیق میں لوگوں کے مشترکہ جذبات و احساسات حصہ لیتے ہیں اور یہ صدیوں کا طویل سفر طے کر کے کوئی ایک روپ اختیار کرتی ہیں اور پھر ایک نسل سے دوسری نسل کو سینہ بہ سینہ یہ امانت سپرد کرتی چلی جاتی ہیں۔ ہزاروں سال سے دھرتی کے ہر گوشے میں انسان زندگی کے لیے فطرت یا غیر مرئی قوتوں کے مقابلے میں جدوجہد کرتا آرہا ہے۔ ہزاروں سال کی انسان کی یہ مسلسل جدوجہد ترقی کی شاہراہ پر رواں دواں زندگی کی ایک کہانی ہے۔ اس طویل اور عظیم کہانی میں لاکھوں کروڑوں واقعات پروئے گئے ہیں۔ دراصل یہ واقعات و مشکلات ہی زندگی کی روح ہیں۔ زندگی کے ساتھ پیش آنے والی مشکلات و واقعات کا بیان ہی لوک کہانیاں ہیں۔ (۲)

پنجابی زبان کے لوک ادب میں قابل قدر کام کرنے والے پنجابی ادیب پروفیسر ونجارا بیدی لوک کہانیوں کے سماجی پہلوؤں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لوک کہانیوں کی تعریف ان الفاظ میں کرتے ہیں۔

> لوک کہانیوں میں صرف انہونی ، افسانوی اور خوابوں کی دنیا میں باتیں نہیں ہوتیں بلکہ ان کے سینے میں بہت سا مواد بھرا ہوتا ہے جو ہمیں ان کی حفاظت کرنے پر مجبور کرتا ہے۔ یہ کہانیاں پڑھ کے جہاں ہم قدیم زمانے کے لوگوں کی سوچ اور ادبی رجحانات کا صحیح صحیح پتہ چلا سکتے ہیں وہاں ان کے خیالات ،رواج ،رہن سہن ، ارادے ،توھمات ،خواہشات اور خوف وغیرہ کے بارے میں جان سکتے ہیں۔ان لوک کہانیوں میں اپنے وقت کے بھائی چارے او رسماج کی بھی پوری پوری جھلک ملتی ہے اور ان لوک کہانیوں میں ہماری رستی بستی دنیا کو بھی پیش کیا گیا ہے۔(۳)

آج کل ہم جو ناول ،افسانہ ،کہانی ،داستان اور مثنوی دیکھ رہے ہیں ادب کی یہ تمام اصناف کسی نہ کسی صورت میں لوک کہانیوں کی مرہون منت ہیں ۔صرف ہمارے ہاں کی بات نہیں بلکہ ساری دنیا کا ابتدائی داستانوی ادب لوک کہانیوں کی بنیاد پر تحریر کیا گیا ہے ان کے لیے خام مواد لوک کہانیوں نے فراہم کیا۔جس پر آگے چل کر عظیم ادب کی عمارت تعمیر ہوئی۔اس ضمن میں تمام نقاد اور محقق متفق نظر آتے ہیں۔رامائین، مہا بھارت،ھومر سے منسوب ایلیڈ اور اوڈیسی اپنے وقت کے رائج گیتوں اور قصوں ہی سے ترتیب دیئے گئے ہیں۔ ہیروڈوٹس کی تاریخ اور فردوسی کے شاھنامے کے ماخذ بھی اس وقت کی مروج لوک کہانیاں تھیں۔الیسپ کی کہانیاں اور مہاتما بدھ سے منسوب گاتھا کی بنیاد بھی لوک کہانیاں تھیں۔ یہی نہیں بلکہ پنچ تنتر،کلیلہ دمنہ،جین شاشتر،عیار دانش ،بوستان خیال، کتھا سرت ساگر،ھتوپریش، برھت کتھا لک شک،شتپتی ،بیتال بیتسی اور اس قسم کے سینکڑوں داستانوی مجموعے سب کے سب لوک کہانیوں کو سامنے رکھ کر مرتب کیے گئے ہیں۔(۴)

داستان گوئی یا داستان نویسی کے سلسلے میں تاریخ پر نظر ڈالی جائے تو مغرب کی نسبت مشرق کے علاقے داستان کی ابتداء اور ارتقا کا گھوارہ نظر آتے ہیں ۔اس سلسلے میں عبدالقادر سروری نے مشہور انگریز مصنف رچرڈ برٹن کا بیان نقل کیا ہے:

> اگر انجیل مقدس کی بعض روایات کو جن میں تاریخی واقعات ادبی اور تخیلی

نزاکتوں کے ساتھ بیان کیے گئے ہیں، قصہ کہہ سکتے ہیں تو اس امر کا اعتراف کرنا پڑے گا کہ مشرق کے ریگستانوں میں قصہ گوئی اس وقت باضابطہ شکل اختیار کر چکی تھی جس وقت دنیا ابھی تحریر سے واقف بھی نہیں تھی (۵)

لوک کہانیاں ہر ملک کی تہذیب کی عکاس ہوتی ہیں۔ یہ وہ گہوارہ ہے جس میں انسانی ذہن پرورش پاتا ہے۔ کسی علاقے کے معاشرتی حالات اور تہذیب وثقافت کو سمجھنے میں وہاں کی لوک کہانیاں جتنی مددگار ثابت ہوسکتی ہیں۔ شاید کوئی دوسرا ذریعہ نہیں ہوسکتا۔ اس لیے کہ لوک ادب میں یہاں کے رہنے والوں کے رسم ورواج، جذبات واحساسات، طرز زندگی اور انداز وفکر کا کھلا، واضع اور براہ راست اظہار پایا جاتا ہے۔ کشمیر کی تاریخ اتنی ہی پرانی ہے جتنی کہ موہنجوداڑو، ہڑپہ اور ٹیکسلا کی تہذیب ہے۔ مورخین کا خیال ہے کہ کشمیر کی تاریخ وادی سندھ کی تہذیب سے بھی پرانی ہے۔ کشمیری لوک کہانیوں، قصوں، داستانوں اور نظموں کی تاریخ بھی اتنی ہی پرانی ہے جو سینہ بہ سینہ ہماری نسل تک پہنچتی رہی ہے۔ ان کہانیوں اور قصوں کا کینوسا سی دور سے شروع ہوتا ہے جب کشمیر میں ہندومت، بدھ مت کی تہذیب ابھری (۶)

جب کشمیر میں نور اسلام پھیلا اور مبلغین نے اس کفر والحاد کے دیس میں اخلاقی اور روحانی طاقتوں سے وادی کی نوے فیصد آبادی کو حلقہ بگوش اسلام کیا۔ تو اس وادی کی تہذیب نے ملائشیا، انڈونیشیا اور فلپائن جیسے ملکوں کی طرح اپنے لوک ورثہ کو قائم رکھا لیکن ان دیو مالائی قصوں، کہانیوں اور داستانوں کو انہوں نے اسلامی اخلاق اور اقدار میں ڈھالا کہ آج برصغیر پاک وھند کے تمام صوبوں کے مقابلے میں وادی میں مسلمانوں کی تعداد اسی فیصد سے زیادہ ہے۔ یہاں اسلام انڈونیشیا، ملائشیا اور فلپائن کی طرح بزور شمشیر نہیں پھیلا۔ بلکہ بزرگان دین کے فیوض و برکات کے توسط سے پھیلا (۷) اشاعت اسلام نے وادی کی لوک داستانوں پر ہی اثر نہیں ڈالا۔ اس سرزمین کو بھی اسی رنگ میں رنگ ڈالا۔ اسی وجہ سے اس سرزمیں سے بڑے بڑے علم دوست، مفکر، سیاستدان اور شاعروں نے جنم لیا۔ جنہوں نے نہ صرف وادی کشمیر میں روحانیت کو جلا بخشی بلکہ ان کے اثرات سے برصغیر بھی فیض یاب ہوا۔ یہ اسلامی قدریں کشمیر کی لوک داستانوں پر اس قدر گہری ہیں کہ پادری ٹینڈل بسکو اور ڈاکٹر نیو جیسے عیسائی مشنریوں کو بھی اپنی تصانیف میں یہ لکھنے پر مجبور کیا ہے کہ:

کشمیر میں عیسائیت کی ناکامی کا سبب یہ لوک کہانیاں ہیں جو سینہ بہ سینہ اسلامی رنگ لیے چلی آرہی ہیں۔ (۸)

کشمیری لوک کہانیوں کو ادوار میں متعارف کرانے اور ان کی روایت کو بڑا مضبوط سہارا دینے میں طاؤس بانہالی نے بھی بڑا اہم کردار ادا کیا ہے۔ رشی نامہ کے ترجمہ کے بعد طاؤس بانہالی نے کشمیری لوک کہانیوں کا بھی عام فہم اردو میں ترجمہ کیا ہے۔ انھوں نے خود گاؤں گاؤں گھوم کر یہ کہانیاں اکٹھی کی ہیں۔ اس لحاظ سے اردو زبان پر طاؤس بانہالی کا احسان ماننا پڑتا ہے۔ ان کی پہلی کتاب کشمیری لوک کہانیاں ادارہ لوک ورثہ اسلام آباد نے مارچ ۱۹۷۸ء میں شائع کی۔ (۹)

طاؤس بانہالی نے جن کہانیوں کو پیش کیا ہے وہ ادبی خدمت کے ساتھ ساتھ مختلف النوع مقاصد کا فرض بھی ادا کرتی ہیں۔ کشمیری لوک کہانیاں کے آغاز میں لکھا ہے:

> ان کہانیوں کے ذریعے ابتداء سے لے کر آج تک کشمیر میں اہم مذہبی تبدیلیوں اور مختلف اعتقادات کا اندازہ ہوتا ہے۔ مختلف اعتقادات اور مذہبی تضاد دراصل اسلامی تہذیب کے ظہور کے لیے راہ ہموار کر رہے تھے۔ اس کے علاوہ ان کہانیوں میں (Folk wisdom) کا بھی اندازہ ہوتا ہے جس کے ذریعے لوگ بڑے سے بڑے مسائل آسانی سے حل کر لیا کرتے تھے (۱۰)

کشمیری لوک کہانیوں کے ترجمے کی روایت پر بحث کرتے ہوئے ڈاکٹر سید یوسف بخاری لکھتے ہیں:

> ۱۹۵۵ء میں نور محمد روشن کی ترتیب دی ہوئی لوک کہانیاں پوشہ تھر کے نام سے چھپی ہیں۔ یہ تین حصوں پر مشتمل ہیں۔ ۱۹۶۱ء میں ایس ایل سادھو کی ۳۰ لوک کہانیوں کا مجموعہ چھپا۔ اوتار کرشن رہبر اور ناجی منور نے مل کر ۱۹۵۹ء میں موختہ نثر کے نام سے بچوں کے لیے لوک کہانیاں شائع کیں۔ اس کے بعد ناجی منور اور بال کرشن نے کئی کتابیں لوک کہانیوں کی شائع کرائیں۔ ایک کتاب کا نام مرژ پیپئی ہے۔ اختر محی الدین اور پشکر بھان کے تعاون سے بھی لوک کہانیاں چھپی ہیں۔ یہ مجموعہ کاشر دلیلہ کے نام سے کلچرل اکادمی کی طرف سے چھپ گیا ہے۔ ۱۹۷۲ء سے آج تک لوک کہانیاں تین جلدوں میں چھپ چکی ہیں۔ یہ تین جلدیں ڈیڑھ سو لوک کہانیوں پر مشتمل ہیں۔ (۱۱)

اس کے علاوہ کشمیری زبان کی قدیم لوک کہانی اکہ نندن کشمیر کے لوک ادب میں بڑی ممتاز حیثیت رکھتی ہے۔ یہ لوک کہانی شادی کے موقع پر بڑے ذوق وشوق سے پڑھی اور سُنی جاتی ہے۔ اس کہانی کو سب سے پہلے رمضان بٹ نے نظم کیا اور اُس کے بعد احمد زرگر، صمد میر اور علی وانی نے

بھی اسے نظم کیا ہے لیکن جو شہرت اور مقبولیت رمضان بٹ کی کہانی کو نصیب ہوئی وہ دوسروں کی کہانیوں کو میسر نہیں ہوئی (۱۲) یہ کہانی ایک تمثیل ہے جس میں نفس امارہ پر قابو پانے کا درس دیا ہے ۔گلریز دراصل ایک فارسی داستان ہے ۔جس کا خاکہ مقبول شاہ کرالہ واری نے مستعار لے کر اُسے کشمیری وضع عطا کی ۔(۱۳) داستان کے کردار قطعی طور پر اہل کشمیر کی مخصوص معاشرت اور طرز زندگی کی نمائندگی کرتے ہیں ۔یہی وجہ ہے کہ عوامی مقبولیت میں گلریز کشمیر کی تمام دوسری لوک کہانیوں سے ممتاز ہے۔

۱۹۷۰ء میں ساہتیہ اکادمی نے الف لیلیٰ کی کہانیاں پروفیسر محی الدین حاجنی سے ترجمہ کروائیں اور شائع کیں۔ یہ ۲۹ کہانیاں ۳ جلدوں یا حصوں پر مشتمل ہیں۔ اس سلسلے میں دوسری کتاب شام لال سادھو نے ترجمہ کی۔ ترجمہ کا نام ویتھ ہندی ملئر ہے۔ یہ کتاب ۱۹۶۸ء میں پرموکھ پبلشرز نے شائع کی۔ اس کے بعد ۱۹۷۰ء میں ۲۲ لوک کہانیوں پر مشتمل ایک مجموعہ چھپا۔ یہ تاریخی مواد پر مشتمل ہے۔ جو کلہن پنڈت کی تاریخ سے پیرزادہ حسن شاہ کے زمانے تک ہمارے سامنے آتا ہے۔ جموں وکشمیر کلچرل اکادمی نے کلیلہ دمنہ کا مرغوب بانہالی سے ترجمہ کروایا ہے۔ اس مجموعہ کی زبان کافی میٹھی، رسیلی اور نہایت ہی شستہ ہے۔ (۱۴)

عہد جدید میں کشمیری لوک کہانیوں کو جمع کرنے کا سہرا ایک انگریز مشنری جے۔ ہنٹن نولز کے سر ہے۔ اس عظیم محقق نے ۱۸۸۷ء میں *Kashmiri Folk Tales* کے عنوان سے لوک کہانیوں کا ضخیم مجموعہ ترتیب دیا جس میں ۶۴ کہانیاں شامل تھیں۔ مسٹر نولز کی رائے کے مطابق:

> Kashmir as a field of Folk-Lore literature is, perhaps, not surpassed in fertility by any other country in the world. (15)

کشمیری معاشرے پر ظلم، جبر، استحصال اور غلامی کے جو مہیب سائے چھائے ہوئے ہیں اس کے اثرات لوک ادب پر بھی بڑے گہرے ہیں۔ کشمیری لوک کہانیوں میں ظالم راکھشسوں اور آدم خور دیوؤں کے قصے ملتے ہیں جو جیتے جاگتے انسانوں کو کھا جاتے ہیں اور ہنستے بستے بازاروں کو تباہ کر دیتے

ہیں۔ان کہانیوں میں معصوم شہزادیوں کا ذکر ملتا ہے جو کبھی اپنے بے ضمیر باپ کے ستم کا شکار ہوتی ہیں اور کبھی چالاک اور مکار بوڑھیوں کے فریب کا نشانہ بنتی ہیں۔ان کہانیوں میں حالات کے رحم وکرم پر چلتے ہوئے بے سدھ شہزادے ملتے ہیں جنھیں سب کچھ دست غیب سے ملتا ہے۔ان کہانیوں میں دانا و بینا جانور اور پرندے ملتے ہیں جو انسانوں سے بڑھ کر کارہائے نمایاں سرانجام دیتے ہیں۔مجموعی طور پر ان کہانیوں میں وہی ظالم اور مظلوم کی جنگ ہے، حاکم اور محکوم کی کشمکش ہے، خیر اور شر کی لڑائی ہے۔ کامیابی بالآخر سچائی اور نیکی کے حصے میں آتی ہے۔ظالم اپنے انجام کو پہنچتا ہے۔(۱۶)

کشمیر میں لوک ادب کا نقش اوّل پنچ تنتر ہے۔یہ عظیم کتاب ڈیڑھ ہزار برس قبل سنسکرت زبان میں لکھی گئی اس میں کہانیاں اور قصے شامل تھے۔یہ کتاب نوشیرواں ساسانی (۵۳۱-۵۷۹) کا ایک مصاحب خاص کشمیر سے ایران لے گیا وہاں اس کا فارسی زبان میں ترجمہ ہوا اور کلیلک ودمنک (کلیلہ و دمنہ) کے نام سے شائع ہوا۔ایران سے یہ کتاب دنیا کی بہت سی قوموں کے پاس پہنچی اور اس کے تراجم ہوئے۔ایک کشمیری عالم سوم دیو نے دسویں صدی میں ''کتھا سرت ساگر'' کے عنوان سے لوک کہانیوں کی ایک کتاب مرتب کی جسے شہرت عام حاصل ہوئی۔(۱۷)

کشمیری لوک کہانیوں کی جمع آوری اور ان کی ترتیب وتدوین کے سلسلے میں سومناتھ در، بانی رائے چودھری، طاؤس بانہالی، جمیلہ علاء الدین، محمد دین فوق اور جے ہنٹن نولز نے اہم کردار ادا کیا ہے۔اس کے علاوہ کشمیری لوک کہانیاں اکثر میگزین اور مختلف کشمیری کتابوں میں بھی موجود ہیں۔اس میں کوئی شک نہیں کہ کشمیری لوک کہانیوں میں جا بجا علم و دانش کے خزینے پوشیدہ ہیں البتہ ڈھونڈنے والی نظر کی ضرورت ہے۔

☆☆☆☆

حواشی و حوالہ جات

(۱) سلیم خان گمی، کشمیر-ادب وثقافت، لاہور، ۱۹۸۷ء، ص ۲۳۸

(۲) شفیع عقیل، پنجابی لوک داستانیں، کراچی، ۱۹۷۵ء، ص ۴

(۳) ایضاً ، ص ۶

(۴) ایضاً ، ص ۱۵

(۵) عبدالقادر سروری، دنیائے افسانہ، حیدرآباد، ۱۹۲۷ء، ص ۱۳۲

(۶) جمیلہ علاء الدین آغا، کشمیری لوک کہانیاں، مظفرآباد، ۱۹۸۰ء، ص ۲

(۷) محمد اشرف وانی، کشمیر میں اسلام، سرینگر، ۲۰۰۴ء، ص ۵۰

(۸) جمیلہ علاء الدین آغا، کشمیری لوک کہانیاں، مظفرآباد، ۱۹۸۰ء، ص ۵

(۹) مظہر الاسلام، کشمیری لوک کہانیاں، اسلام آباد، س ن، ص ۵

(۱۰) ایضاً ، ص ۶

(۱۱) ڈاکٹر یوسف بخاری، کشمیری زبان و ادب کی مختصر تاریخ، اسلام آباد، ۱۹۸۹ء، ص ۲۱۲

(۱۲) سلیم خان گمی، کشمیر-ادب وثقافت، لاہور، ۱۹۸۷ء، ص ۲۵۰

(۱۳) ایضاً ، ص ۲۵۵

(۱۴) ڈاکٹر یوسف بخاری، کشمیری زبان و ادب کی مختصر تاریخ، اسلام آباد، ۱۹۸۹ء، ص ۲۱۳

(15) J. Hinton knowles, *Kashmiri Folk Tales*, Islamabad, 1981, P-5

(۱۶) محمد سعید اسد، کشمیر کی لوک کہانیاں، میرپور، ۲۰۰۰ء، ص ۱۱

(۱۷) ایضاً